حکمتِ اقبال

(۳۹)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی کا انقلاب (۲)

جسمانی اور روحانی ولادت کا فرق

اقبال رومی کی زبان سے بتاتا ہے کہ یہ ولادت آب و گِل سے تعلّق نہیں رکھتی۔ آب و گل کی ولادت کے بعد بچّہ روتا ہے، روح کی ولادت کے بعد انسان ہنستا ہے۔ وہ ولادت جستجو کرنے والے کی ہے اور یہ جستجو میں کامیاب ہونے والے کی ہے۔ وہ زمان کی حدود کے اندر سیر و سکون کا موقعہ دیتی ہے اور یہ زمان و مکان کی حدود سے باہر نکل کر اسرارِ حقیقت کی سیر کا۔ وہ روز و شب کی محتاج ہے اور یہ روز و شب کی سواری۔ دونوں کے لیے اذان ہوتی ہے۔ اس کے لیے وہ اذان جو فقط زبان سے بلند ہو اور اس کے لیے ایسی اذان جو دل و جان سے ادا ہو۔ جب کسی انسان کے بدن کے اندر ایک جانِ بیدار ولادت پاتی ہے تو اس کے کارناموں سے دنیا لرزنے لگتی ہے۔

لیکن ایں زادن نہ از آب و گِل است — داند آں مردے کہ او صاحب دل است
آں یکے با گریۂ ایں با خندہ ایست — یعنی آں جوئندہ، ایں یابندہ ایست
آں سکون و سیر اندر کائنات — ایں سراپا سیر بیرُوں از جہات
آں یکے محتاجِ روز و شب است — واں دگر روز و شب اُو را مرکب است
ہر دو زادن را دلیل آمد اذاں — آں بلب گویند و ایں از عینِ جاں
جانِ بیدارے چو زاید در بدن — لرزہ ہا افتد دریں دیرِ کہن

اقبال خود تمنا کرتا ہے کہ خدا اسے طلسمِ زمان و مکان کو توڑنے کے قابل بنا دے۔

زیرِ گردوں خویش را یابم غریب — زآنسوئے گردوں بگو آنّی قریب

© rasailojaraid
© rasailojaraid

تا مثالِ مہر و ماہ گردد غروب — ایں جہات و ایں شمال و ایں جنوب
از طلسمِ دوش و فردا بگذریم — از مہ و مہر و ثریّا بگذریم

ایک ہی مقام کی مختلف تعبیرات

خودی کی یہی حالت ہے جو اقبال کے نزدیک کاشفِ اسرارِ حیات ہے اور جس کو اقبال کبھی اپنے "من میں ڈوبنا" کبھی "خودی میں ڈوبنا" اور کبھی "تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوبنا" کہتا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی — تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن!

عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا — نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف!

خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں — مگر یہ ہمتِ مردانِ ہیچ کارہ نہیں

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے — خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر!

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی — کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا!

پھر اس حالت کو وہ کبھی اپنے آپ میں گم ہو جانے کا اور کبھی اپنے آپ کو گم کر دینے کا نام بھی دیتا ہے۔

بخود گم بہرِ تحقیقِ خودی شو — انا الحق گو و صدّیقِ خودی شو

زمانے ہر دو را ایم چہ راز است — یکے گم مے کنم خود را، یکے گم مے کنم او را

پھر اس کو اقبال کبھی حرائے دل میں بیٹھنے سے کبھی خود کو ترک کرنے سے اور کبھی خدا کے پاس خلوت گزیں ہونے سے بھی تعبیر کرتا ہے۔

اندکے اندر حرائے دل نشیں — ترکِ خود کن سوئے حق خلوت گزیں!

اور پھر اس کو وہ کبھی جہانِ دل کے اندر جھانکنے کا اور کبھی اعماقِ ضمیر کے اندر نگاہ ڈالنے کا نام بھی دیتا ہے۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

اند کے اندر جہانِ دل نگر ۔۔۔ تا زِ نورِ خود شوی روشن بصر
فاش مے خواہی اگر اسرارِ دیں ۔۔۔ جز با عماقِ ضمیرِ خود مبیں!

لذّتِ مجذوبیت سے خطرہ

خودی کو اس حالت میں ایک ایسی گہری اور دل کشا مسرت نصیب ہوتی ہے کہ دنیا کی ہر بڑی سے بڑی مسرت بھی اس کے سامنے ہیچ اور بے حقیقت رہ جاتی ہے۔ اس مسرت کی لذت خودی کو مست اور مخمور کر دیتی ہے۔ اسی نوعیت کی لیکن اس سے کم درجہ کی ایک مسرت جو بتدریج بڑھ رہی تھی خودی کو اس کے ارتقاء کے گزشتہ مقامات اور مدارج میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اور اسے اپنی ہمت آزما جد وجہد کے دوران تسلیوں اور امیدوں کے سہارے دے رہی تھی۔ اب [illegible] مسرت کے عروج کا نقطۂ کمال ہے۔ یہ مسرت اس قدر جاذب ہوتی ہے کہ اسے ترک کر کے بیداری اور ہوشیاری کی حالت کی طرف لوٹنا بڑا ہی مشکل کام ہوتا ہے اور بعض وقت درحقیقت عاشق اسے ترک کر کے اپنی حالتِ صحو کی طرف واپس آنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس خواہش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عاشق کے ذہنی قویٰ (جو اسے نہ صرف اس لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ ان کی مدد سے محبوب کی پیدا کی ہوئی کائنات پر غور و فکر کر کے محبوب کے حسن و کمال کی معرفت حاصل کرے، بلکہ اس لیے بھی کہ وہ ان کی مدد سے اس دنیا کو محبوب کے مقاصد کے مطابق بدلنے کے لیے سرگرمِ عمل رہے) معطل ہو جانے کی وجہ سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قدرت کا یہ قاعدہ ہے کہ جن قویٰ سے کام نہ لیا جائے وہ ان کو کام کی استعداد سے محروم کر دیتی ہے۔ عاشق عالمِ زمان و مکان سے اپنا تعلق کھو دیتا ہے، کیونکہ وہ اس تعلق کو قائم رکھنا نہیں چاہتا۔ مستقل مجذوبیت کی یہ کیفیت اس عاشق کی قسمت میں ہوتی ہے جو نبوت کی تعلیم سے پوری طرح مستفید نہیں ہوتا اور جو اپنی کم علمی کی وجہ سے خودی کے محبوب اور مقصود کے متعلق غلط نقطۂ نظر رکھتا ہے اور خودی کی فطرت سے یعنی خودی کی آرزوئے حسن کے فطری تقاضوں سے بے خبر ہوتا ہے۔ ان تقاضوں میں سے ایک یہ ہے کہ خودی دنیائے عمل میں شریعت کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے محبوب کی خدمت اور اطاعت کے لیے موجود رہے اور محبوب کے حسین و جمیل مقاصد کی پیش رُد کے لیے کام کر کے اپنی آرزوئے

© rasailojaraid.c

حسن کی تشفی کا سامان مسلسل طور پر پیدا کرتی رہے۔ جب تک کہ کائنات میں خدا کی جستجوئے حسن ختم نہیں ہوتی یعنی جب تک کائنات اپنے کمال کو نہیں پہنچتی اس وقت تک مومن کی جستجوئے حسن بھی ختم نہیں ہوتی۔ مومن خدا کا دوست ہونے کی وجہ سے کائنات میں خدا کے مقاصد کا ممدّ و معاون ہوتا ہے۔ لذّتِ مجذوبیت پر مر مٹنے والا عاشق یا وہ عاشق جو مجذوب تو نہیں لیکن دنیا میں محبوب کے مقاصد کی تکمیل کے لیے پوری پوری جدّوجہد کر کے اپنی محبّت کا مظاہرہ نہیں کرتا محبوب کے ساتھ اپنے تعلّق کو ایک پست تر مقام سے دیکھتا ہے۔ لہٰذا وہ لذّتِ ذکر و فکر سے جو خلوت میں اسے محبوب کے قرب کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے واقف ہوتا ہے لیکن لذّتِ کردار سے جو اسے جلوت میں عالمِ انسانی کے گوشہ گوشہ میں باطل کو فنا کر کے حکمِ حق کو جاری کرنے کی عملی جدوجہد سے نصیب ہوتی ہے آشنا نہیں ہوتا۔ ایسے عاشق کے متعلق اقبال بڑے افسوس سے لکھتا ہے:

واے درویشے کہ ہوئے آفرید — باز لب بربست و دم در خود کشید
حکمِ حق را در جہاں جاری نہ کرد — نانے از جو خورد و کرّاری نہ کرد

خودی میں ڈوب کر ابھرنا

لیکن ایک ایسا عاشق جو نظری اور عملی طور پر نبوّت کے علم سے پوری طرح مستفید ہو رہا ہو نہ صرف یہ جانتا ہے کہ محبوب کے ساتھ اس کا تعلق ایک اطاعت گزار بندہ کا ہے بلکہ اس حقیقت کو بھی محسوس کرتا ہے کہ اس کا فطری جذبۂ محبت فقط اطاعت ہی سے پوری تشفی پا سکتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی پوری زندگی کو اور اپنی زندگی کی ہر چیز کو اپنے فکر و عمل کی قوّتوں کے سمیت اپنے محبوب کی اطاعت اور خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اس لیے محبوب کے ساتھ پیوست ہو کر خود فراموش ہونے کی حالت میں بھی وہ اپنی خودی کو محبوب کی اطاعت کے لیے بیدار اور برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اگرچہ اس کی یہ کوشش خود فراموشی اور مست و مخمور کرنے والی مسرت کی وجہ سے نہایت ہی مشکل ہوتی ہے تاہم وہ اپنی محبّت ہی کی وجہ سے اس میں کامیاب ہوتا ہے اور اپنی حالتِ بیداری و ہوشیاری کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اب اسے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ محبوب کی آغوش میں چلا گیا ہے اور فقط خدا ہی خدا ہے اور وہ نہیں، بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ محبوب خود اس کی آغوش میں آگیا

© rasailojaraid
© rasailojaraid

ہے اور اب وہی وہ ہے اور خدا نہیں یعنی وہ خود ہی خدا ہے۔ گویا وہ اپنی زبانِ حال سے اپنے احساسات کی بناء پر "انا الحق" کا نعرہ لگاتا ہے۔ یہ خودی میں ڈوب کر پھر اُبھر آنے کا وہ نہایت ہی مشکل کام ہے جسے مردانِ بلاکش کی ہمّت آسان بناتی ہے۔

خودی میں ڈوبتے ہیں، پھر اُبھر بھی آتے ہیں
مگر یہ ہمّتِ مردانِ ہیچ کارہ نہیں

یہی ہے خودی کا اپنی تکمیل کے مقام پر پہنچنا، یا خدا کی ذات کو بے پردہ دیکھنا، یا عینِ خود ہو جانا، یا زندہ ہو جانا۔ اور یہی خودی کی نمود اور آشکارائی ہے، یہی خودی کا کمال ہے، یہی اس کی بلندی ہے یہی اس کی تعمیر ہے اور یہی اس کی تربیت ہے۔

بر مقامِ خود رسیدن زندگی است　　ذات را بے پردہ دیدن زندگی است

چشم برحق باز کردن زندگی است　　خویش را بے پردہ دیدن زندگی است

بے ذوقِ نمودِ زندگی، موت　　تعمیرِ خودی میں ہے خدائی!

خودی اندر خودی گنجد محال است　　خودی را عینِ خود بودن کمال است

چناں باذاتِ حق خلوت گزینی　　کہ اُو بیند ترا اُورا تو بینی

نعرۂ انا الحق کا مطلب

خودی کا اپنے آپ میں ڈوبنا اور پھر اُبھر کر اپنے خدا ہونے کا احساس کرنا خودی کا وہ تجربہ ہے جس سے وہ اپنی تحقیق اور تصدیق کرتی ہے، کیونکہ اسے یہ تجربہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر خود اپنے محبوب کے حوالے کر دیتی ہے اور اس طرح سے اپنے آپ کو پوری طرح اپنی گرفت میں دے دیتی ہے یعنی پوری طرح سے خود گیر اور خود دار ہو جاتی ہے اور اُس کا کوئی غیر اُس پر اپنی گرفت یا حکومت نہیں رکھتا۔

بخود گم بہرِ تحقیقِ خودی شو　　انا الحق گو و صدّیقِ خودی شو

© rasailojaraid
© rasailojaraid

خودگیری و خودداری و گلبانگِ انا الحق آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات

خودی کے انا الحق کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ خودی فی الواقع خدا ہو جاتی ہے یا خدا ہو سکتی ہے، بلکہ اس کا مطلب فقط اتنا ہی ہے کہ خودی خدا کی شدید محبت کی وجہ سے عارضی طور پر یہ احساس پیدا کر لیتی ہے کہ وہ خدا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو جب آگ میں رکھ دیا جائے تو وہ اس قدر سُرخ ہو جاتا ہے کہ آگ سے اس کا امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم لوہے کا ٹکڑا لوہے کا ٹکڑا ہی رہتا ہے اور وہ آگ نہیں بنتا جو اس کو گرم کر کے سُرخ کر دیتی ہے۔ اسی طرح عبادت گزار مومن پر اس کی شدید محبت کی وجہ سے ایک حالت ایسی وارد ہوتی ہے کہ اس کی خودی اپنے جُداگانہ وجود کو قائم رکھتے ہوئے بھی خدا کی محبت میں اس طرح جذب ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے اپنے آپ کو خدا سے امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن ایک سچا عاشق اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ جانتا ہے کہ اس کا یہ احساس کہ وہ خدا ہے ایک غلطی ہے —— جو کثرتِ عبادت اور شدتِ محبت سے پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا رفتہ رفتہ اس کا یہ احساس کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اور عاشق پھر محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ اور اس کا محبوب الگ الگ ہیں اور ان کا باہمی تعلق فقط معبود اور عبد اور خالق اور مخلوق کا ہے۔ محبوب اس کا خالق اور معبود ہے اور وہ محبُوب کا مخلوق اور عبد ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور کئی اور اولیاء اللہ نے اپنے اس تجربہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک عاشق پر جو اپنی آرزوئے حسن کو مطمئن کرنے کے لیے جی بھر کر خدا کی عبادت اور اطاعت کرتا ہے یہ تینوں حالتیں گزرتی ہیں۔ کبھی اس کے شعور کی دنیا میں خدا ہی خدا ہوتا ہے اور وہ خود نہیں ہوتا، کبھی وہ خود ہی خود ہوتا ہے اور خدا نہیں ہوتا، اور کبھی خدا بھی ہوتا ہے اور وہ خود بھی ہوتا ہے اور یہ خودی کی فطرت کا ایک راز ہے۔

یکے گم مے کنم خود را، یکے گم مے کنم اُو را
زمانے ہر دو را یابم، چہ راز است ایں، چہ راز است ایں!

اس تیسری حالت کو نہ ہجران کہہ سکتے ہیں اور نہ وصال۔ اس کے باوجود وہ ہجران بھی ہے اور وصال بھی۔ لہٰذا یہ بات نہ عقل سمجھ سکتی ہے اور نہ عشق۔

ہم با خود و ہم با اُو، ہجراں کہ وصال است ایں؟
اے عقل چہ مے گوئی؟ اے عشق چہ فرمائی؟

© rasailojarai
© rasailojarai
© rasailojarai

خودی کا مکمل ہونا یا اپنے خدا ہونے کا احساس پیدا کرنا ایک ہی بات ہے۔خودی نے ذکر اور فکر اور حسنِ عمل کے مشاغل کیوں اختیار کیے تھے ؟ اگر ہم کہیں کہ وہ اپنی آرزوئے حسن کی تکمیل چاہتی تھی یعنی اس کا مقصد اپنی جستجو تھا تو یہ بالکل درست ہے ۔ اس جستجو سے اسے جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ خدا تھا ' یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگ گئی تھی ۔ لہٰذا اگر ہم کہیں کہ ان مشاغل سے خودی کا مقصد یہ تھا کہ وہ خدا (یعنی خدا کی محبت اور دوستی) کو حاصل کرے یا خدائی کی جستجو کرے تو یہ بھی بالکل درست ہے لیکن خدا کی اس جستجو سے اسے جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ اس کی اپنی ہی مکمل خودی تھی ۔ گویا خودی اگر خدا کی جستجو کرے تو اپنے آپ کو پاتی ہے اور اگر اپنے آپ کی جستجو کرے تو خدا کو پاتی ہے ۔

تلاشِ اُو کنی جز خود نہ بینی
تلاشِ خود کنی جز اُو نہ یابی

انسان کی عقل ' دل اور نظر سب خدا کے کُوچے میں گم ہیں ۔ جب تک انسان خدا کو نہ پائے نہ اس کی عقل صحیح طور پر سوچتی اور صحیح نتائج پر پہنچتی ہے نہ اس کا دل اطمینان پاتا ہے اور نہ اس کی نظر کو حسن کا وہ سامان مل سکتا ہے جس کی آرزو اس کو بے تاب رکھتی ہے ۔ لہٰذا اقبال کہتا ہے مجھے معلوم نہیں کہ میں تیری تلاش میں جاؤں یا اپنی تلاش میں ' کیونکہ مجھ سے تو ہی گم نہیں بلکہ تیرے بغیر میں خود بھی اپنے آپ سے گُم ہوں ۔ میں جو کچھ ہوں وہ میری عقل یا میرا دل یا میری نظر ہے اور یہ تینوں گویا تیرے کوچہ میں کھوئے ہوئے ہیں اور تیرے ملنے سے ہی مل سکتے ہیں ۔

من بہ تلاشِ تو روم یا بہ تلاشِ خود روم
عقل و دل و نظر ہمہ گم شُدگانِ کُوئے تو

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات: ۵۶، سفید کاغذ، عمدہ طباعت: قیمت فی نسخہ - د روپے